اقبال کی ایک نظم "حقیقت حسن"

ڈاکٹر ریاض الحسن

اقبال کی حسب ذیل نظم ''حسن اور زوال'' کے عنوان سے رسالہ مخزن لاہور کے مارچ ۱۹۰۶ء نمبر میں شائع ہوئی۔ اس نظم پر اقبال نے ایک چھوٹا سا تعارفی نوٹ دیا تھا کہ اس نظم کا خیال کسی جرمن مصنف کی نثر سے لیا گیا۔ بعد کو یہ نظم ''حقیقت حسن'' کے عنوان سے بانگ درا کے صفحہ ۱۱۶ پر شائع ہوئی۔

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں تو نے مجھے کیوں نہ لازوال کیا

ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا

ہوئی ہے رنگ تغیر سے جب نمود اسکی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جسکی

کہیں قریب تھا ، یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی ، اختر سحر نے سنی

سحر نے تارے سے سنکر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیام شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

یہ ایک چھوٹی سی نہایت حسیں نظم ہے۔ اس میں نیرنگئی زمانہ اور گردش روزگار کا ذکر ہے جس سے ہر شے میں تغیر اور تبدل ہوتا ہے۔ اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ حسن کا تعلق اس عالم فانی سے ہے یعنی حسن زوال پذیر اشیاء کی خاصیت ہے۔

مشرقی شعراء نے بھی نیرنگئی عالم اور گردش روزگار پر خوب خوب طبع آزمائی کی ہے اور انسانی زندگی پر اس کے اثر کو ظاہر کیا ہے۔ لیکن مشرقی شاعری میں حسن کا تصور زیادہ تر حسن ازل سے ہے اس لئے اس کے فانی

ہونے کا تصور نہیں پایا جاتا ۔ البتہ جہاں حسن کا تصور مجازی ہے وہاں تغیر و تبدل کا خیال ملتا ہے ۔ مثلاً حضرت امیر خسرو کا شعر ہے ۔

حسن تو دیر نہ ماند چو ز خسرو رفتی
گل ہمے دیر نہ ماند چو شد از خار جدا

اس شعر میں خسرو نے اپنے کو خار سے اور محبوب کو گل سے تشبیہ دی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب تک خار گل کے ساتھ ہے اس وقت تک گل کا حسن قائم ہے اور جہاں خار گل سے جدا ہوا وہاں گل میں زوال پذیری شروع ہو گئی ۔ یہاں گل و خار کی یکجائی پر زور دیا گیا ہے۔لیکن کیا اس یکجائی سے گل و خار دونوں لازوال ہو جائیں گے ۔ آخر ایک دن تو آئے گا جب قانون قدرت کی تحت گل و خار دونوں فنا ہو جائیں گے ۔ خسرو بہر حال یہاں تک نہیں جاتے بلکہ دونوں کی وقتی یکجائی پر زور دیتے ہیں ۔

گردش روزگار اور نیرنگئی عالم تو تغیر کا دوسرا نام ہے اور جب دنیا کی تمام چیزیں تغیر پذیر ہیں تو وہ فانی ہیں ۔ اقبال نے انقلاب و تغیر کو حسن کی زوال پذیری سے ترتیب دیکر ایک عجیب رنگ پیدا کر دیا ہے ۔ اس میں رومانیت کا اثر ہے ۔ بہار کی زوال پذیری اور شباب کی افسردگی پر اظہار افسوس و رنج ہے۔

اس نظم پر اقبال کا جو تعارفی نوٹ ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ حسن کی زوال پذیری کا خیال انہوں نے کسی جرمن شاعر سے لیا ۔ اس صورت میں کہ انہوں نے اصل مصنف کا نام نہیں بتایا مگر جیسا کہ آگے چل کر میں بتاؤں گا اس نظم کا تاثر جرمن شاعر گوئٹے کی ایک مشہور نظم کے ایک ٹکڑے سے لیا گیا ہے ۔ ۱۹۳۱ء میں اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے انگلستان گئے ۔ کیمرج اور لندن میں ان کا خاطر خواہ استقبال کیا گیا اور ادبی انجمنوں نے انہیں دعوت دی ۔ ۴ نومبر ۱۹۳۱ء کی شام کو انڈیا سوسائٹی لندن نے ان کو چائے پر بلایا ۔ وہاں انہوں نے اپنی تین فارسی نظمیں سنائیں اور اپنی اردو نظم ''حقیقت حسن،، کی ابتدا پر روشنی ڈالی ۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی اردو نظم ''حقیقت حسن'' سنائی ۔ جب وہ نظم کے اس مصرع پر پہنچے کہ ''وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی'' تو انہوں نے کہا کہ ''یہاں تک ایک جرمن شاعر کے خیال کی ترجمانی کی گئی ہے لیکن جو کچھ اس کے بعد ہے وہ میرا ہے''۔ اور جو حصہ اقبال کا ہے وہ ''کہیں قریب تھا یہ گفتگو قمر نے سنی'' سے شروع ہوتا ہے ۔ اقبال ایک غیر معمولی ملکۂ شاعری لے کر آئے تھے اور یہ خیال کرنا کہ انہوں نے جرمن شاعر کے خیال کو محض نظم کا جامہ پہنا دیا سخت نادانی ہوگی ۔ اس لئے کہ کوئی خیال جو اقبال کی

شخصیت اور شاعری کے سانچے میں سے ہو کر نکلے گا اس پر ان کی شخصیت کی مہر ضرور لگی ہوگی ۔ چنانچہ اس نظم کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ۔

گوئٹے کے کلام کا مطالعہ کرتے وقت مجھے ایک نظم ایسی ملی جس کے بعض ٹکڑے اس نظم سے بالکل مل جاتے ہیں ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تخیل گوئٹے کا ہے جس کو اقبال نے نظم کیا ہے ۔ اور اقبال کے تخیل نے اس نظم کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا ۔ گوئٹے کی ایک لمبی نظم ہے Vierjahreszeiten (چار موسم) ۔ اس میں موسم بہار، موسم گرما، موسم خزاں اور موسم سرما کی کیفیت اور ان سے انسانی زندگی پر پیدا ہونے والے اثرات کو بیان کیا گیا ہے ۔ موسم گرما والی نظم کا ایک ٹکڑا حسب ذیل ہے ۔

"Warm binich vergaenglich, O, Zeus? fragte die Schoenheit.
Macht ich doch, sagte der Gott, nur das Vesgaenglich schoen.
Und die Liebe, die Blumen, der Tau und die Jungend Vernahmens;
Alles gingen sie weg, weinend, von Jupiters Thron.
Leben muss man und lieben; es endet Leben und Liebe.
Schnittest du, Parze, doch nur beiden die Faeden zugleich."[1]

''حسن نے زیوس[۲] سے سوال کیا کہ میں کیوں فانی بنایا گیا
خدا نے جواب دیا کہ میں نے صرف زوال پذیر اشیاء کو حسن بخشا ہے
اس جواب کو عشق پھول شبنم اور شباب نے سنا ۔
تو وہ روتے ہوئے زیوس کے تخت کے سامنے سے چلے گئے
انسان کو زندہ رہنا ہے اور محبت بھی کرنا ہے مگر اس نے تو زندگی اور عشق کو ختم کر دیا ۔
اے قسمت کے مالک ! تو نے دونوں کے رشتوں کو بیک وقت کاٹ دیا'' ۔

حسن اور خدا کے درمیان جو سوال و جواب ہوا اس کو گوئٹے نے دو مصرعوں میں ادا کیا ۔ اور اقبال نے ابتدائی تین شعر میں ۔ لیکن اقبال کے دوسرے شعر کا خیال خود اپنا ہے ۔ اور اس میں انہوں نے تیسرے شعر کے خیال کی بنیاد ڈالی ہے کہ دنیا ایک تصویر خانہ ہے جس میں تصویریں کچھ دیر کے لئے چلتی پھرتی ہیں اور پھر عدم میں غائب ہو جاتی ہیں ۔ اور اس طرح یہ سب عدم کی نہ ختم ہونے والی رات کا ایک افسانہ ہے ۔ اس کے بعد تغیر کا ذکر کر کے انہوں نے اس مرکزی خیال کو شعر کا جامہ پہنایا کہ ''وہی حسین ہے حقیقت زوال ہے جس کی'' ۔

---

۱. Goethes Gedichte in zeitlicher Folge. Vol.i, p. 400 Leipzig.

۲. یونانیوں کے علم الاصنام میں سب سے بڑا دیوتا زیوس (Zeus) تھا ۔ قدیم رومی اس کو جوپیٹر کے نام سے پکارتے تھے ۔ یہ انسان کا ابولا تھا اور انسانوں کی قسمت کا مالک مانا جاتا تھا ۔

گوئٹے نے عشق ، شبنم، پھول اور شباب کو مغموم اور گریہ کی حالت میں غیر مربوط طریقہ پر دکھایا ہے ۔ مگر اقبال یہاں گوئٹے سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں ۔ انہوں نے چاند ، تارے ، پھول ، شبنم اور شباب کی آمیزش سے ایک مربوط داستان نہایت حسین انداز میں پیش کی ہے ۔ انہوں نے شاعرانہ نزاکت اور تلازمہ کا خاص خیال رکھا ہے جو گوئٹے کے یہاں موجود نہیں ہے۔ مثلاً ستارۂ صبح کا ذکر کرکے شبنم کو لائے ہیں اور پھر پھول کی پتیوں پر شبنم کے قطروں کو پھول کے آنسوؤں سے تشبیہ دی ہے ۔ اسی طرح کلی کے کھلنے سے گلاب کی جو سرخ پتی ظاہر ہوئی اس پر گویا کلی نے اپنا خون دل دیکر اس کو سرخ کر دیا ۔ یہ تمام باتیں چمن میں شبنم اور کلی کے درمیان ہو رہی تھیں کہ سارا چمن افسردہ ہو کر گریہ و زاری میں مصروف ہو گیا کیونکہ کلی کے پھول بن کر کھلنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اب بہار کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور خزاں کا دور آنے والا ہے ۔ یعنی

آغوش گل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

اس لئے موسم بہار جانے کی تیاری کر رہا ہے اور شباب جس کا قلبی تعلق بہار کی خوشیوں اور رنگ رلیوں سے ہے سوگوار ہو گیا کہ اب سیر و تفریح کا زمانہ ختم ہو گیا ۔ آخری ٹکڑا اقبال کا خود اپنا ہے اور اس نے نظم کو جاندار بنا دیا ۔ اگر گوئٹے کو یہ ٹکڑا سنایا جاتا تو وہ بھی پھڑک اٹھتا اور دل کھول کر داد دیتا ۔